درس ۱۳

اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام

سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۴۰ کی روشنی میں

(۱)

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ...... اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلاً عَظِيْمًا ﴾ (آیات ۲۳-۴۰)

مطالعۂ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا درس ان مجالس میں ہو رہا ہے اس کا تیرھواں سبق سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۴۰ پر مشتمل ہے۔ یہ آیاتِ مبارکہ اس سورۃ کے تیسرے اور چوتھے رکوع پر مشتمل ہیں۔ اس سبق کا عنوان یا موضوع ہے "اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام۔"

سابقہ مباحث سے ربط و تعلق

اس درس پر گفتگو کے آغاز سے قبل اگر ہم ان مضامین کا مختصر طور پر اعادہ کر لیں جو اس سے پہلے دروس میں بیان ہو چکے ہیں تو مباحث کی کڑیاں جوڑنے میں آسانی ہو گی۔ مطالعۂ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب کا پہلا حصہ چار جامع اسباق پر مشتمل تھا' جن میں اُخروی نجات کے چار ناگزیر لوازم یعنی ایمان' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا بیان تھا۔ دوسرے حصے میں پانچ سبق تھے جن کا مرکزی موضوع "ایمان" تھا۔ تیسرے حصے میں "عملِ صالح" کی تشریح و توضیح چل رہی ہے۔ یعنی اس حصہ میں قرآنی تعلیمات کے عملی پہلو کا بیان ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ہم نے یہ دیکھنے کی کوشش کی

کہ انفرادی طور پر ایک بندۂ مومن کی سیرت و کردار میں اللہ تعالیٰ کو کون سے اوصاف محبوب ہیں۔ اس کے لئے ہم نے سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات اور سورۃ المعارج کی ہم مضمون آیات کے حوالے سے یہ سمجھا کہ انفرادی سیرت کی تعمیر کے ضمن میں قرآن مجید کیا اصول بیان کرتا ہے اور اس کی کیا اساسات معین کرتا ہے۔ پھر سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں ہم نے پوری طرح تعمیر شدہ شخصیت یعنی علامہ اقبال کے "مردِ مومن" اور قرآن مجید کی اصطلاح میں "عباد الرحمٰن" کی سیرت و کردار کے خد و خال کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف پہلے قدم یعنی خاندانی زندگی اور عائلی زندگی کے ضمن میں ہم نے پوری سورۃ التحریم کا مطالعہ کیا۔

اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ خاندانوں سے معاشرہ وجود میں آتا ہے جسے ہم سماج سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس معاشرے کے ضمن میں قرآن مجید ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے! بالفاظِ دیگر یوں سمجھئے کہ قرآن مجید کی رُو سے وہ سماجی و معاشرتی اقدار (Soicial Values) کونسی ہیں جنہیں اسلام پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کی ترویج و تنفیذ ہو' انہیں معاشرے میں رائج کیا جائے اور اس کے برعکس وہ سماجی برائیاں (Social Evils) کونسی ہیں کہ جنہیں اسلام ناپسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کو معاشرے سے بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکا جائے' ان کا استیصال ہو' ان کو معاشرے میں پنپنے نہ دیا جائے۔ یہ مضامین ہیں جو ان اٹھارہ آیات میں ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔

تورات کے "احکامِ عشرہ" کا خلاصہ

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ سورۂ بنی اسرائیل قرآن مجید کے قریباً وسط میں وارد ہوئی ہے۔ پندرھویں پارے کا آغاز اسی سورۂ مبارکہ سے ہوتا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے ابتداء اور اختتام پر بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات کا خلاصہ ہے اور درمیان میں یعنی تیسرے اور چوتھے رکوع میں تورات کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حِبرُ الاُمت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان آیات میں

تورات کے احکامِ عشرہ (Ten Commandments) کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کر دیا گیا ہے۔

اسلامی حکومت کے لئے رسول اللہ ﷺ کا منشور

زمانۂ نزول کے اعتبار سے سورۂ بنی اسرائیل مکی دور کے آخری زمانے میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے ـــــ چنانچہ اس کی پہلی آیت میں واقعۂ معراج کا ذکر ہے ﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ ﴾ یعنی "پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے"۔ درمیان میں بھی ایک مقام پر معراج کے واقعہ کا تذکرہ ہے۔ معراج ۱۲ نبوی میں ہوا۔ للذا یہی اس سورۂ مبارکہ کا زمانہ نزول ہے گویا کہ ہجرت سے متصلاً قبل۔

مکہ میں مسلمان کمزور تھے، وہاں کفر کا پوری طرح غلبہ تھا، لیکن ہجرت کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مدینہ منورہ میں ایک آزاد اسلامی معاشرہ وجود میں آنے والا تھا یا یوں کہئے کہ ایک اسلامی حکومت قائم ہونے والی تھی، جہاں مسلمان اپنی آزادی اور اختیار سے جن چیزوں کو چاہیں رائج کریں، ان کی تنفیذ کریں، انہیں promote کریں اور جن جن چیزوں کو چاہیں ان کو روکیں، ان کو مٹائیں اور ان کا استیصال کریں۔ اس اعتبار سے جدید اصطلاح میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان آیاتِ مبارکہ میں جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا منشور (Manifesto) بیان ہو رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضورؐ کو غلبہ عطا فرمائے تو اسلامی ریاست میں آپؐ کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں وارد ہوا : ﴿ اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ﴾ (آیت ۴۱) "وہ لوگ جنہیں اگر ہم زمین میں غلبہ عطا فرمائیں تو وہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے، نظامِ زکوٰۃ قائم کریں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے اور بدیوں سے روکیں گے"۔ گویا یہ اسی آیت کی شرح ہے جو سورۂ بنی اسرائیل کی زیر مطالعہ آیات میں ہمارے سامنے آ رہی ہے کہ وہ اوامر کون سے ہیں کہ جن کی وہاں ترویج

وتنفیذ ہوگی اور وہ نواہی کون سے ہیں جن کا اس معاشرے میں استیصال کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے اس سبق کی بڑی اہمیت ہے کہ ہم اس کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ یہ اسلامی حکومت کے قیام کیلئے نبی اکرم ﷺ کا منشور ہے۔

آیاتِ مبارکہ کا مطالعہ

اب ہم ان آیاتِ مبارکہ کے متن کے ساتھ ساتھ ان کا ترجمہ کرتے ہیں تاکہ پہلے ایک نظر ہمارے سامنے وہ مضامین آ جائیں جو ان آیاتِ مبارکہ میں آ رہے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک ایک پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوگی۔

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ ﴾

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ مت بندگی کرو کسی کی سوائے اس کے' اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

﴿ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ ﴾

"اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کی عمر کو ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے نرمی اور ادب کے ساتھ بات کرو"

﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ ﴾

"اور ان کے سامنے اپنے شانے نیازمندی اور ادب کے ساتھ جھکا کر رکھو اور یہ دعا کیا کرو کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے پالا پوسا جبکہ میں چھوٹا سا تھا۔"

﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ ﴾

"تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ کہ تمہارے جی میں ہے۔ اگر تم واقعتاً نیک ہوئے تو یقیناً اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کے حق میں بہت مغفرت کرنے والا'

بخشنے والا ہے"۔

﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا○ ﴾

"اور رشتہ دار کو اس کا حق ادا کرو' اور محتاج اور مسافر کو بھی (اپنے مال میں سے دو) اور اپنی دولت کو نام و نمود اور نمائش کے لئے نہ اُڑاؤ"

﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا○ ﴾

"یقیناً جو لوگ اپنی دولت نمود و نمائش کے لئے اڑاتے ہیں' وہ شیطانوں کے بھائی ہیں' اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا (اور نافرمان) ہے"۔

﴿ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا○ ﴾

"اور اگر تمہیں ان سے اعراض کرنا ہی پڑے' اس لئے کہ تم اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو تو ان سے بات نرمی سے کرو"۔

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا○ ﴾

"اور اپنے ہاتھ کو نہ تو اپنی گردن کے ساتھ باندھ رکھو اور نہ اس کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ پھر تمہیں بیٹھ رہنا پڑے ملامت زدہ ہو کر اور عاجز بن کر"۔

﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا○ ﴾

"یقیناً تیرا رب رزق کو کشادہ بھی کرتا ہے اور تنگ بھی کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ وہ یقیناً اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے"۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا○ ﴾

"اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو' ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور خود تمہیں بھی' یقیناً ان کو قتل کرنا بہت بڑی خطا ہے"۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَّسَآءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾

"اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو ـــــ یقیناً وہ بڑی بے حیائی اور بہت ہی گھناؤنا راستہ ہے"۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ﴾

"اور نہ قتل کرو کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو کوئی مظلومانہ قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار عطا فرمایا ہے، پس چاہئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے، یقیناً اس کی مدد کی جائے گی"۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾

"اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو مگر بہترین طور پر تاآنکہ وہ بالغ ہو جائے، اور عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں باز پُرس ہو گی"۔

﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾

"اور جب ماپ کر دو تو پیمانہ پورا بھرو اور جب تولو تو سیدھی ڈنڈی کے ساتھ تولو، یہی عمدہ طرزِ عمل ہے اور انجامِ کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے"۔

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾

"اور اس چیز کی پیروی مت کرو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے، یقیناً سماعت، بصارت اور قلب و ذہن کی جو استعدادات تمہیں عطا کی گئی ہیں ان کے بارے میں باز پرس ہو گی"۔

﴿ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ ﴾

"اور زمین میں اکڑ کر مت چلو، یقیناً تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ ہی اونچائی اور بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو"۔

﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ﴾

"ان تمام باتوں میں جو برائی کے پہلو ہیں وہ تمہارے رب کو ناپسند ہیں"۔

﴿ ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ ﴾

"(اے نبی ﷺ) یہ ہیں وہ باتیں جو آپؐ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہیں از قسم حکمت و دانائی۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود مت ٹھہرا بیٹھنا کہ پھر جھونک دیئے جاؤ جہنم میں ملامت زدہ ہو کر دھکے دیئے جا کر"۔

﴿ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

"کیا تمہارے رب نے تمہیں تو چُن لیا ہے بیٹوں کے لئے اور خود ملائکہ کی صورت میں بیٹیاں اختیار کر لی ہیں؟ یقیناً تم ایک بہت بڑی بات کہہ رہے ہو۔"

قرآن میں مضامین کی تکرار اور اس کی حکمت

ان آیات کے ترجمے سے جو مضامین ہمارے سامنے آئے' ان میں سے اکثر مضامین اس سے قبل اس منتخب نصاب کے مختلف اسباق میں آ چکے ہیں۔ مثلاً شرک کی مذمت و ممانعت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں بیان ہو چکا ہے۔ اقرباء' یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ نیک سلوک اور ان کی احتیاجوں کے رفع کرنے میں اپنا مال خرچ کرنے کے مضامین آیۂ بِر میں بھی آئے (جو ہمارا درس نمبر دو تھا) اور پھر سورة المعارج میں بھی یہ آیت وارد ہوئی : ﴿ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ﴾ اسی طرح قتل ناحق کی مذمت و ممانعت سورة الفرقان کے آخری رکوع میں آ چکی ہے۔ زنا کی شناعت کا ذکر بھی اسی سبق میں آ چکا ہے۔ ایفائے عہد کی تاکید آیۂ بر میں بھی آئی اور اس کا ذکر سورة المومنون اور سورة المعارج کی ہم مضمون آیات میں بھی آیا ہے۔ تکبر اور غرور کی مذمت اور تواضع' فروتنی اور حلم کی تلقین سورۂ لقمان کے سبق میں بھی آ چکی ہے اور یہی مضمون سورة الفرقان میں مثبت پیرائے میں بایں الفاظ آ چکا ہے ﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ﴾ یعنی "اللہ کے محبوب بندے

وہ ہیں جو زمین پر آہستگی اور فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں"۔

قرآن حکیم میں مضامین کی تکرار کے ضمن میں چند باتیں قابلِ توجّہ ہیں : قرآن مجید میں اگر مضامین کی تکرار ہوتی ہے تو اس سے اولاً تو اِن مضامین کی اہمیت کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ ثانیاً تکرارِ محض کہیں نہیں ہوتی، تکرارِ محض کلام کا عیب شمار ہوتا ہے اور قرآن مجید اس عیب سے پاک ہے۔ اگر کہیں کوئی مضمون دوہرا کر آتا ہے تو اسلوب بدلا ہوا ہوتا ہے۔ وہی بات کہ ؏

اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں!

اس اندازِ بیان اور اسلوب کے فرق سے اس کلام کی دل نشینی، دل آویزی، اثر انگیزی اور اثر پذیری میں اضافہ ہوتا ہے۔ ثالثاً بعض مقامات پر ایسا ہوتا ہے کہ موضوع تو مشترک ہوتا ہے لیکن کہیں وہ انفرادی سیرت و کردار کے ضمن میں آرہا ہوتا ہے اور کہیں وہی بات معاشرتی اور سماجی اقدار کی حیثیت سے سامنے لائی جارہی ہوتی ہے۔ رابعاً جہاں بھی کوئی مضمون دوسری بار آتا ہے تو اگر اسے نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو وہاں کوئی نہ کوئی نیا پہلو مل جاتا ہے۔ چنانچہ اگر قرآن مجید میں کہیں تکرار محسوس ہو تو آپ ان چاروں میں سے کسی نہ کسی ایک بات کو وہاں موجود پائیں گے۔

ان سب باتوں کو جمع کر کے سورۃ الزمر کی ایک آیت کی طرف اشارہ کر رہا ہوں جس میں قرآن مجید اپنا تعارف ان الفاظِ مبارکہ میں کراتا ہے ﴿كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾ یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے مضامین باہم مماثل ہیں اور دوہرا دوہرا کر آتے ہیں۔ بقول اقبال ؏

شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں مری بات!

اگر ایک انداز سے بات سمجھ میں نہیں آئی تو شاید دوسرے انداز سے سمجھ میں آجائے۔

زیرِ درس آیات کے متن اور ترجمہ سے ان آیاتِ مبارکہ کے مضامین کا ایک اجمالی نقشہ ہمارے سامنے آگیا ہے۔ اب ہم ان میں سے اہم نکات کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

شرک کی مذمت اور ممانعت

سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ ان آیات کے آغاز میں بھی شرک کی مذمت اور ممانعت ہے اور ان کا اختتام بھی اسی مضمون پر ہو رہا ہے۔ گویا وہ تمام اوصاف یا وہ تمام اَقدار جو اِن آیات میں بیان ہو رہی ہیں ان کے لئے توحیدِ باری تعالیٰ ایک حصار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح ہم نے سورۃ المومنون کی آیات میں دیکھا تھا کہ انفرادی سیرت کی تعمیر کے ضمن میں آغاز بھی نماز سے ہوا تھا ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○﴾ اور پھر اختتام بھی نماز کے ذکر پر ہوا تھا ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○﴾ اور یہی اسلوب سورۃ المعارج کی ہم مضمون آیات میں ملاحظہ کیا تھا' بعینہٖ یہ بات ہمیں یہاں توحید کے بارے میں نظر آ رہی ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چونکہ اسلام دینِ توحید ہے اور توحید کی ضد شرک ہے' لٰہذا اسلام جو بھی معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اس میں توحید کو مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور شرک کا مکمل استیصال یعنی جہاں شرک کا شائبہ بھی نظر آئے اسے محو کرنا اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی معاشرہ اگر اپنے بنیادی نظریہ اور اپنے اساسی فکر کے خلاف کسی چیز کو در آنے کا موقع دے گا تو ظاہر بات ہے کہ اس سے اس معاشرے کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں گی۔ چنانچہ یہاں ابتداء میں فرمایا : ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ بڑا فیصلہ کُن انداز ہے کہ "تیرے رب نے طے فرما دیا ہے کہ مت بندگی کرو کسی کی سوائے اس کے"۔ ... اختتام پر بھی توحید ہی کا مضمون ہے' البتہ انداز مختلف ہے : ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ یعنی "اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا بیٹھنا"....بات ایک ہے لیکن اسلوب جُدا۔

یہ دونوں باتیں تو فی الحقیقت شرک فی العبادت کی نفی کر رہی ہیں' مگر دنیا میں شرک کی ایک اور قسم بھی موجود رہی ہے' جسے شرک فی الذات کہتے ہیں یعنی کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹی قرار دے دینا۔ جیسا کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے حضرت عُزَیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اسی طرح اہل عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں

قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے جتنے بُت تھے ان کے نام مؤنث ہیں‘ جیسے ”لات“ الٰہ کا مؤنث ہے‘ ”العُزّٰی“ یہ العزیز کا مؤنث ہے اور ”المَنات“ المنّان کا مؤنث ہے۔ انہوں نے فرشتوں کو اپنا معبود مانا اور ان کے بارے میں یہ سمجھا کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں بڑے ہی لطیف پیرائے میں تنقید کی جارہی ہے کہ ہوش مندو! تم نے اللہ کو الاٹ بھی کیں تو بیٹیاں!! ﴿اَفَاَصۡفٰىكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ﴾ ”کیا تمہارے رب نے تم کو تو چن لیا ہے بیٹوں کے لئے؟“ ﴿وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا﴾ ”اور اپنے لئے فرشتوں کی صورت میں بیٹیاں اختیار کرلیں!“ ﴿اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا﴾ ”جان لو کہ یہ بات جو تم اپنی زبان سے نکال رہے ہو‘ یہ بہت بڑی بات ہے“۔ یہ اللہ کی جناب میں بہت بڑی جسارت ہے‘ بہت بڑی گستاخی ہے۔

حقوقِ والدین کی خصوصی اہمیت

دوسرا نکتہ ہے ﴿وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا﴾ یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں بھی آچکا ہے ﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ﴾ نیز قرآن مجید میں متعدد مقامات اور بھی ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے حقوق کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا ذکر ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس مضمون کی خصوصی اہمیت کیا ہے؟ اگر آپ ذرا غور کریں گے تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ جسے ہم معاشرہ یا سماج کہتے ہیں وہ خاندانوں کا اجتماع ہے‘ بہت سے خاندان مل کر معاشرے کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ گویا معاشرے کی اکائی خاندان ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر خاندان مستحکم ہو گا‘ اس کا نظام مضبوط ہو گا تو پورا معاشرہ بھی مستحکم ہو گا اور اگر خاندان کمزور پڑ جائے تو پورے معاشرے میں بھی اضمحلال اور فساد رُونما ہو گا۔ اس لئے کہ اگر اینٹیں کچی ہوں گی تو فصیل بھی کچی ہو گی اور اگر اینٹیں پکی ہوں اور ہر اینٹ اپنی جگہ مضبوطی سے جمی ہوئی ہو تو فصیل بھی مضبوط ہو گی۔ ایک مشہور مفکر نے ایک بڑی عجیب بات کہی ہے کہ مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے مطالعے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کوئی تہذیب اور کوئی تمدن اُس وقت تک زوال سے دوچار نہیں ہوتا جب تک اس میں خاندان کا ادارہ کمزور نہ پڑ جائے۔ یہ گویا تہذیب

و تمدن کے اضمحلال اور زوال کا نقطۂ آغاز ہے۔

اب اگر ہم غور کریں تو خاندان کے ادارے کے تین اہم گوشے ہیں۔ ایک گوشہ شوہر اور بیوی کے باہمی ربط و تعلق کا ہے' دوسرا گوشہ والدین اور اولاد کے باہمی ربط و تعلق کا ہے اور تیسرا گوشہ بہنوں اور بھائیوں کے درمیان رشتۂ اخوت سے متعلق ہے۔ خاندان کے ادارے کے اِن اَبعادِ ثلاثہ (Three Dimensions) کے مابین صحیح توازن قائم رہے گا تو خاندان کا نظام مستحکم ہو گا۔ جہاں تک شوہر اور بیوی کے باہمی تعلق کا معاملہ ہے اس موضوع پر ہم سورۃ التحریم میں قرآن مجید کی بنیادی رہنمائی قدرے تفصیل کے ساتھ دیکھ چکے ہیں۔

اب یہاں یہ سمجھئے کہ اگر کسی معاشرے میں والدین سے بے رخی عام ہو جائے تو یہ خاندانی نظام کو مضمحل کرنے کا ایک بہت بڑا سبب ہو گا۔ اگر والدین کو یہ اعتماد نہ ہو کہ بڑھاپے میں ہماری اولاد ہمارا سہارا بنے گی تو ان میں بھی خود غرضی پیدا ہو سکتی ہے۔ پھر وہ بھی اپنے آپ کو اولاد میں کلیتاً invest کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے اور اپنے مستقبل کے لئے کچھ بچا بچا کر رکھیں گے۔ لیکن اگر کسی معاشرے میں یہ قدر (Value) موجود ہے کہ بوڑھے والدین کی اولاد اُن کا سہارا بنتی ہے' ان کی ذمہ داریوں کو پوری طرح نباہتی اور ادا کرتی ہے تو والدین بھی اپنی جوانی کے دور کی ساری توانائیاں اپنی اولاد پر کھپاتے اور invest کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں آج بھی الحمدللہ یہ رنگ بڑی حد تک موجود ہے۔ لیکن اس کے بالکل برعکس صورت حال دیکھنا چاہیں تو آپ یورپ اور امریکہ جا کر وہاں کے معاشروں کا مشاہدہ کیجئے۔ وہاں موجودہ دور میں بڑھاپا سب سے بڑی لعنت سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ وہاں حکومت کی سطح پر بوڑھوں کے لئے ادارے قائم ہیں' ان کی دیکھ بھال ہو رہی ہے' لیکن وہ جو محبت کی پیاس ہوتی ہے اس پیاس کی تسکین کا ان اداروں میں کوئی سامان نہیں ہے۔ وہ اپنی اولاد کو دیکھنے تک کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ ان ممالک میں کرسمس کی اہمیت اب یہ رہ گئی ہے کہ بوڑھے والدین ان اداروں میں اپنے دل میں یہ تمنا اور توقع لئے منتظر رہتے ہیں کہ شاید اس کرسمس پر ہمارے بچے ہم سے ملنے آئیں اور اس موقع پر ہم اپنی اولاد کی شکل دیکھ سکیں۔

اس کے برعکس نظام ہے جو اسلام نے دنیا کو دیا ہے۔ اس میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اللہ کے حقوق کے متصلاً بعد والدین کے حقوق کا ذکر ہوتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا' قرآن حکیم میں تکرارِ محض کہیں نہیں ہوتی۔ سورۂ لقمان میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے والدہ کا ذکر بطورِ خاص کیا گیا تھا ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ اور یہاں ضعیفی کی وہ عمر خاص طور پر پیش نظر ہے جس کو قرآن مجید میں ارذل العمر قرار دیا گیا ہے' یعنی عمر کا وہ حصہ جو بڑا ہی کمزوری اور بے چارگی والا حصہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خود عمر کے اس حصے سے اللہ کی پناہ طلب کی ہے۔ عمر کے اس حصے میں ایک تو بوڑھے والدین کے احساسات زیادہ نازک ہو جاتے ہیں۔ دوسرے اکثر و بیشتر ان کے فہم میں بھی کمی آ جاتی ہے۔ جیسے سورۂ یٰسین میں فرمایا : ﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ ان کی ذہنی توانائیاں پہلی سی نہیں رہتیں اور ان کے فہم و فکر میں اضمحلال واقع ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا مشاہدہ ہو گا کہ بڑھاپے میں انسان میں بچپن کی سی خواہشات عود کر آتی ہیں اور وہ کچھ اسی طرح کی فرمائشیں کرنے لگتا ہے۔ ان حالات میں واقعہ یہ ہے کہ اولاد کے لئے بڑی سخت آزمائش ہوتی ہے۔ وہ ان کی سب فرمائشیں پوری بھی نہیں کر سکتے' کہیں نہ کہیں روک لگانی پڑے گی' ان کی بات رد کرنا پڑے گی۔ اس کے پیش نظر یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ ان سے جب بھی بات کرو تو نرمی اور ادب کو بہرحال ملحوظ رکھو۔ سینہ تان کر بات نہ کرو' انہیں جھڑکو مت' ملامت نہ کرو۔ اور اگر ان کی کسی بات کو پورا نہیں کر سکتے ہو تو نرمی کے ساتھ معذرت کرو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ ان کے سامنے اپنے شانے جھکا کر رکھو۔ انہیں یہ احساس نہ ہو کہ آج یہ مجھ سے سینہ تان کر بات کر رہا ہے درانحالیکہ یہ کبھی اس حال میں تھا کہ اس کا وجود بھی ہمارا مرہونِ منت تھا' اس کی پرورش ہمارے ذمہ تھی اور ہم اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی ضروریات کو مقدم رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی فرما دیا کہ اللہ سے بھی دعا کرتے رہا کرو کہ پروردگار' مجھ سے اگر کوئی کوتاہی ہو ہی جائے تو تُو بخشنے والا ہے۔ اور والدین کے تمام حقوق میں خود ادا کر بھی نہیں سکتا' ان کے احسانات کا جو بارِ گراں میرے کاندھوں پر ہے ان کا حساب میں نہیں چکا سکتا لہٰذا تجھ ہی

سے استدعا کر رہا ہوں : ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ "پروردگار! تُو اِن پر رحم فرما جیسے انہوں نے مجھے پالا پوسا جبکہ میں چھوٹا تھا"۔

ساتھ ہی یہ تسلی بھی دے دی کہ اگر استثنائی حالات میں کبھی تمہیں ان کی بات کو رد کرنا پڑ جائے تو ایک سعادت مند بیٹے پر اس کا جو احساس طاری ہو گا اور جو کوفت اسے ہو گی اس کے ازالے کے لئے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں' تمہارا رب صرف ظاہر کو نہیں جانتا بلکہ وہ تو اسے بھی جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾ تم نے اگر کسی وقت اپنے والدین کی فرمائش کو رد کیا ہے تو تمہاری کیا مجبوری ہے' تمہارے کیا حالات ہیں' تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ اگر تم اپنی قلبی کیفیت کے اعتبار سے درست ہو اور نیک نیت ہو تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی مغفرت فرمانے والا ہے : ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا۝﴾

رشتہ دار' مسکین اور مسافر کا حق

اب تیسرے نکتے کی طرف آیئے۔ ویسے یہ مضمون بھی اس سے پہلے آچکا ہے' لیکن یہاں ایک نئی شان سے آ رہا ہے' فرمایا : ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ دیکھئے' یہ بڑی فطری ترتیب ہے۔ خاندان کے ادارے کو مستحکم کرنے کے بعد اب انسان کے حسن سلوک کا دائرہ بڑھنا چاہئے اور ظاہر بات ہے کہ "اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ" کے اصول کے مطابق جو سب سے قریب ہے وہ سب سے پہلے حسنِ سلوک کا مستحق ہے۔ یعنی جو فطری طور پر مقدم ہے اسی کو مقدم رکھنا ہو گا۔ پس جو قرابت دار اور رشتہ دار ہیں ان کا حق حسن سلوک میں فائق اور مقدم رہے گا۔ پھر اس دائرے میں معاشرے کے محروم افراد کو شامل کرنا ہو گا' جن میں مساکین' مجبور' یتیم اور مسافر سبھی شامل ہیں۔ اس طرح تمہارے حسن سلوک کا دائرہ بڑھتا چلا جانا چاہئے۔

"تبذیر" کی ممانعت اور اس کی شناعت

لیکن اگر کوئی شخص اپنی دولت کو نام و نمود' نمائش اور اللوں تللوں میں اڑا رہا ہے تو وہ اس خیر' اس نیکی اور اس بھلائی سے محروم رہے گا۔ لہٰذا اس کے ساتھ ہی تبذیر

کی ممانعت کی گئی جو ادائے حقوق کی ضد ہے۔ گویا ایک ہی آیتِ مبارکہ میں معاشرتی و سماجی اعتبار سے اخراجات کی دو انتہاؤں کو جمع کر دیا گیا اور یہ رہنمائی دے دی گئی کہ انسان کو چاہئے کہ ابنائے نوع پر اپنی دولت مندی کا رُعب گانٹھنے کے لئے نام و نمود اور نمائش کے فضول کاموں پر خرچ کرنے کے بجائے اسے ان کی ضروریات اور احتیاجات کو رفع کرنے کا ذریعہ بنائے۔ چنانچہ آیت کے اختتام پر فرمایا ﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴾ یعنی اپنی دولت کو اللّوں تللّوں میں مت اڑاؤ۔

یہاں نوٹ کیجئے کہ اس سلسلے میں سورۃ الفرقان میں لفظ "اِسراف" آیا تھا لیکن یہاں اسراف کے بجائے "تبذیر" آیا ہے۔ اگرچہ اسراف اور تبذیر دونوں قابلِ تحذیر اور قابلِ مذمت ہیں' لیکن ان کے مابین فرق ہے! اسراف انسان کا اپنی کسی جائز ضرورت کو پورا کرنے میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا ہے' مثلاً خوراک ہماری ضرورت ہے لیکن ضرورت سے آگے بڑھ کر انواع و اقسام کے کھانوں کو دسترخوان کی زینت کا معمول بنالینا اسراف کے ذیل میں آئے گا۔ کپڑے پہننا اور تن ڈھانپنا ہماری ضرورت ہے' لیکن بیس بیس اور تیس تیس جوڑوں سے الماریاں بھری ہوئی ہوں تو یہ اسراف ہے۔ اسراف کی ضد ہے بخل' یعنی اللہ تعالیٰ نے کشادگی دے رکھی ہے' آسودگی اور خوش حالی ہے' لیکن انسان دولت کو سینت سینت کر رکھ رہا ہے' دوسروں پر تو کیا خرچ کرے گا' خود اپنی جائز ضرورتوں میں بھی بخل سے کام لیتا ہے۔ یہ انسان کے ذاتی اور نجی اخراجات کی دو انتہائیں ہیں۔ چنانچہ انسان کے ذاتی سیرت و کردار کے اوصاف کے ضمن میں سورۃ الفرقان میں اس بات کو مثبت انداز میں بیان کر دیا گیا ﴿ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ۝ ﴾ یعنی "(عباد الرحمٰن) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں (کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کریں) اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں (کہ حقیقی ضرورت کے معاملے میں بھی خرچ کرتے ہوئے دل میں گھٹن محسوس کریں) بلکہ ان کا معاملہ اور رویہ اعتدال کا رہتا ہے"۔ اب ذرا غور کیجئے کہ تبذیر کیا ہے؟ تبذیر اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس کی سرے سے کوئی حقیقی ضرورت ہوتی ہی نہیں۔ صرف نمود و نمائش کے لئے' لوگوں پر اپنی دولت کا رعب گانٹھنے کے لئے اور

اپنی دولت مندی کی دھونس جمانے کے لئے دولت خرچ کی جاتی ہے' جیسے ہمارے اہل ثروت کے یہاں شادی کی تقاریب کے موقع پر ہوتا ہے۔

یہاں تبذیر کی نہایت شدید مذمت بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ یہ مبذّرین (فضول خرچی کرنے والے) دراصل شیطانوں کے بھائی ہیں۔ غور کیجئے ایسا کیوں کہا گیا؟ شیطان انسانوں پر جو سب سے بڑا حربہ آزماتا ہے' خصوصاً معاشرتی' سماجی اور تمدنی سطح پر' وہ انسانوں کے دلوں سے باہم محبت و اخوت کے رشتوں اور جذبات کو ختم کرکے اس میں نفرت و عداوت کے بیج بو دینا ہے۔ چنانچہ شراب اور جوئے کے بارے میں سورۃ المائدہ کی آیت ۹۱ میں فرمایا گیا: ''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے دل میں بغض و عداوت اور دشمنی کے بیج بو دے''۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ تبذیر سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے' اس کا عالی شان بنگلہ جگمگ جگمگ کر رہا ہے' اس کے چپے چپے پر اور درختوں کے ایک ایک پتے کے ساتھ روشنی کے قمقمے لگا دیئے گئے ہیں' پوری کوٹھی بقعۂ نور بنی ہوئی ہے۔ اسی کوٹھی میں اس کا کوئی شوفر بھی ہے' کوئی خانساماں بھی ہے' اس کے بنگلے میں مختلف کاموں کے لئے بہت سے دوسرے ملازمین بھی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ان ملازمین میں سے کسی کی جوان بچی اس لئے بیٹھی ہوئی ہو اور اس کے ہاتھ پیلے نہ ہو سکتے ہوں کہ بچی کی شادی کے ضمن میں جو کم سے کم ضروری اخراجات ہوں' ان کے لئے بھی اس کے پاس پیسہ نہ ہو۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ دولت کے اس طرح اظہار کو دیکھ کر کیا آپس میں محبت اور یگانگت کا احساس پیدا ہو گا؟ اس سے تو نفرت و عداوت کے بیج ہی دلوں میں بوئے جائیں گے۔ ''haves'' اور ''have nots'' کا شعور اور طبقاتی فرق و تفاوت کے احساسات و جذبات کے ادراک کو دلوں میں پختہ کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر بات یہی ہے کہ دولت مند اپنی دولت کا اس طریقے سے اظہار کریں' اس کی نمائش کریں۔ اس طرح دلوں کے اندر نفرت و عداوت کا لاوا پکتا رہتا ہے۔ لہٰذا فرمایا ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ ''یقیناً مبذّرین (نام و نمود اور نمائش کے لئے اپنی دولت اڑانے والے) شیطانوں کے بھائی ہیں' اور شیطان تو

ہے ہی اپنے رب کا بے حد ناشکرا"۔

اگلی آیت میں ایک اور بات کی تلقین فرمائی کہ اگر تمہیں کبھی اپنے قرابت داروں' ضرورت مندوں یا سائلین سے کسی وقت معذرت کرنا ہی پڑے' اس لئے کہ تم خود بھی (فراغت اور کشادگی کے لئے) اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو' تو بات نرمی کے ساتھ کرو' ان کو جھڑکو نہیں' جیساکہ سورۃ الضحیٰ میں خود حضور ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ یہاں ایک معاشرتی اخلاقی قدر (value) کے طور پر ہدایت دی جا رہی ہے

﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾

پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ اس خیر اور بھلائی کے کام میں بھی اعتدال و توازن کی ضرورت ہے۔ ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ﴾ نہ تو ایسا ہو کہ ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہو' یہ بخل کے لئے ایک تعبیر ہے۔ ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ "اور ایسا نہ ہو کہ ہاتھ بالکل کھلا چھوڑ دیا جائے" اس میں بھی اعتدال کی ضرورت ہے۔ آدمی جذبات میں آکر کسی وقت اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ بعد میں پچھتائے ﴿فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ اس کی اپنی اولاد فقیروں اور بھکاریوں کی صورت اختیار کر لے۔ اس لئے اس میں بھی توازن اور اعتدال درکار ہے۔

اس مضمون کا اختتام اس آیتِ مبارکہ پر ہوتا ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ "بے شک تیرا رب ہی کھول دیتا ہے روزی جس کے لئے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا' ان کو دیکھنے والا ہے"۔ اس آیت کے ذریعے سے دراصل یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ کسی کی کشادگی و تونگری اور کسی کی تنگی اور مفلسی کے ذمہ دار تم نہیں ہو اور نہ یہ واقعتاً تمہارے بس کی بات ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے علمِ کامل اور حکمتِ بالغہ کی بنا پر کرتا ہے اور فراخی و تنگی میں بھی بندے کا امتحان مقصود ہوتا ہے۔

قتلِ اولاد کی ممانعت

اگلی آیت میں قتل اولاد کی ممانعت ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا

اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا۝﴾ "اور اپنی اولاد کو مفلسی اور تنگ دستی کے خوف سے مت قتل کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی (دے رہے ہیں اور دیں گے)۔ یقیناً ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے"۔

ایامِ جاہلیت یعنی بعثتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے قبل عرب میں یہ قبیح رواج تھا کہ پیدائش کے فوراً بعد اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے! گویا معاشی محرکات ان کو قتل اولاد جیسے ظالمانہ فعل پر آمادہ کرتے تھے۔ یہاں افلاس کے خوف سے قتلِ اولاد سے روکا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ رزق کے ٹھیکے دار تم نہیں ہو بلکہ اس کی پوری ذمہ داری اللہ پر ہے۔ وہی تمہیں رزق دیتا ہے اور وہی تمہاری آئندہ نسلوں کو بھی کھلائے گا۔ اولاد کا قتل ایک بہت بڑا گناہ ہے اور یہ فعل کبیرہ گناہوں میں شامل ہے ـــــ یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ ہمارے اکثر علماء کرام نے معاشی محرکات کے تحت منع حمل کی تدابیر کو بھی تبعاً اسی "نہی" کے حکم میں شامل قرار دیا ہے اور کسی حقیقی و ناگزیر طبی ضرورت کے علاوہ صرف معاشی محرکات کے پیش نظر اسقاطِ حمل کو تو واضح طور پر قتلِ اولاد کے گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے۔ (جاری ہے)